

علامہ جاوید احمد غامدی کا تصور ”فطرت“

[”نقطہ نظر“ کا یہ کالم مختلف اصحاب فکر کی نگارشات کے لیے مختص ہے۔ اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

غامدی صاحب کے ماخذ دین ایک نظر میں

ماخذ دین سے مراد وہ شرعی دلائل ہیں جن سے شرعی احکام کو مستنبط کیا جاتا ہے۔ اہل سنت کے ہاں یہ چار ہیں: قرآن، سنت، اجماع اور قیاس۔ یہ وہ ماخذ دین ہیں جو فقہائے اہل سنت کے ہاں متفق علیہ ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ ماخذ ایسے بھی ہیں جو فقہاء کے درمیان اختلافی ہیں، مثلاً قول صحابی، استحسان، مصلحت مرسلہ، استصحاب، سد الذرائع، عرف و عادت، شرائع من قبلنا وغیرہ۔ اہل سنت کے ماخذ دین کے بالمقابل غامدی صاحب کے ماخذ علی الترتیب درج ذیل ہیں:

غامدی صاحب کے ماخذ دین	اہل سنت کے ماخذ دین
۱۔ دین فطرت کے بنیادی حقائق	۱۔ قرآن
۲۔ سنت ابراہیمی	۲۔ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم
۳۔ نبیوں کے صحائف	۳۔ اجماع
۴۔ قرآن	۴۔ قیاس

غامدی صاحب کے اصل اصول تو یہی چار ہیں، جبکہ ان چار کے علاوہ بھی غامدی صاحب کے کچھ اصول ہیں جن سے ضرورت پڑنے پر استدلال کرتے ہیں، لیکن ان کو مستقل ماخذ دین نہیں سمجھتے۔ یہ اصول درج ذیل ہیں:

۵۔ حدیث

۶۔ اجماع

۷۔ امین احسن اصلاحی، جنہیں وہ امام کہتے ہیں۔

اس باب میں ہم غامدی صاحب کے اصول دین فطرت کے بنیادی حقائق پر کچھ معروضات پیش کریں گے۔ غامدی صاحب کے نزدیک سب سے پہلا ماخذ جس سے دین حاصل ہوتا ہے، وہ فطرت انسانی ہے اور یہی ماخذ ان کے نزدیک اصل الاصول یعنی باقی تمام ماخذ کی بنیاد بھی ہے، جیسا کہ ہم آگے چل کر اس کو ثابت کریں گے۔ دین کا دوسرا ماخذ ان کے نزدیک نبیوں کی سنت ہے، یعنی ایسے اعمال جن پر تمام انبیاء عمل کرتے چلے آئے ہیں، چونکہ یہ اعمال حضرت ابراہیم کی زندگی میں آ کر ایک واضح شکل اختیار کر گئے تھے، اس لیے اب ان اعمال کی نسبت پچھلے انبیاء کی بجائے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف ہوگی۔ تیسرا ماخذ ان کے نزدیک نبیوں کے صحائف یعنی تورات، انجیل اور زبور وغیرہ ہیں۔ اور دین کا چوتھا اور آخری ماخذ ان کے نزدیک قرآن مجید ہے۔ اسی لیے وہ قرآن کو دین کی آخری کتاب کہتے ہیں، یعنی دین تو پہلے سے چلا آ رہا ہے اور قرآن نے آ کر اس کی تکمیل کی ہے۔ باقی جہاں تک حدیث رسول یا اجماع امت کا معاملہ ہے، اس کو غامدی صاحب دین کا کوئی مستقل ماخذ نہیں مانتے۔ لہذا غامدی صاحب کے اصل اصول چار ہی ہیں جن پر ان کی پوری فکر استوار ہے۔ غامدی صاحب نے اپنے ان چار اصولوں کو اپنی کتاب ”میزان“ (فصل اصول و مبادی) میں صفحہ ۴۷ سے ۵۲ تک تفصیلاً بیان کیا ہے۔ ”المورد“ کے ریسرچ سکا لرا اور غامدی صاحب کے شاگرد خاص جناب منظور الحسن صاحب غامدی صاحب کے ماخذ دین سے متعلقہ ”میزان“ کی اس طویل عبارت کا خلاصہ اپنے استاد محترم کی رہنمائی میں ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

”قرآن دین کی پہلی نہیں، بلکہ آخری کتاب ہے اور دین کے مصادر قرآن کے علاوہ فطرت کے حقائق،

سنت ابراہیمی کی روایت اور قدیم صحائف بھی ہیں۔ اس موضوع پر مفصل بحث استاذ گرامی جناب جاوید احمد غامدی

کی تالیف ”میزان“ کے صفحہ ۴۷ پر ”دین کی آخری کتاب“ کے زیر عنوان ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔“

(ماہنامہ اشراق، مارچ ۲۰۰۴ء، ۱۱)

ہم یہ مانتے ہیں کہ اسلام دین فطرت ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ فطرت انسانی اس قابل ہے کہ

اس سے دین اسلام، احکام الہی، اوامر و نواہی یا حلال و حرام کا تعین ہو سکتا ہے۔ اسلام کے دین فطرت ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اپنے بندوں کو جس فعل کے بھی کرنے کا حکم دیا ہے فطرت سلیمہ اس فعل کے کرنے کی طرف ایک فطری رجحان اپنے اندر محسوس کرتی ہے اور جس فعل کے کرنے سے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی ہمیں روک دیا ہے فطرت سلیمہ بھی اس فعل سے ابا محسوس کرتی ہے۔ احکام الہی فطرت انسانی کے مطابق تو ہیں، لیکن فطرت انسانی سے ان کا تعین نہیں ہو سکتا۔ یہی غلط فہمی جس میں آج غامدی صاحب مبتلا ہیں، ایک دور میں معتزلہ کو لگی۔ معتزلہ کا کہنا یہ تھا کہ عقل سے شریعت کا تعین ہو سکتا ہے۔ عقل جس چیز کو اچھا سمجھے گی، شریعت کی نظر میں بھی وہ چیز مستحسن ہے اور عقل جس کو برا سمجھے گی، شریعت کی نظر میں بھی وہ چیز بری ہے۔ معتزلہ نے جو مقام عقل انسانی کو دیا تھا، غامدی صاحب اسی درجے پر فطرت انسانی کو رکھتے ہیں۔ غامدی صاحب کے بقول اللہ کے احکامات، شریعت اسلامیہ، حلال و حرام اور اوامر و نواہی کا تعین کرنے کے لیے، فطرت انسانی سب سے بڑا اور بنیادی ماخذ ہے۔ قرون اولیٰ میں امام ابو الحسن الاشعری اور امام ابو منصور ماتریدی نے معتزلہ کے اس موقف کا کہ عقل سے بھی اللہ کے حکم کو معلوم کیا جاسکتا ہے، سختی سے رد کیا اور اہل سنت کے موقف کو واضح کیا، جس کی تفصیلات اصول کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ ہماری اس کتاب کا اصل مقصد بھی غامدی صاحب کے افکار کی روشنی میں سامنے آنے والے اعتراضات جدید کی کج فہمیوں کو اہل سنت کے اصولوں کی روشنی میں واضح کرنا ہے۔ اس مختصر تمہید کے بعد اب ہم اپنی اصل بحث کی طرف آتے ہیں۔

غامدی صاحب کا تصور فطرت

غامدی صاحب اپنی کتاب ”میزان“ کی فصل ”اصول و مبادی“ میں لکھتے ہیں:

”اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے جو جانور پیدا کیے ہیں، ان میں سے بعض کھانے کے ہیں اور بعض کھانے کے نہیں ہیں۔ یہ دوسری قسم کے جانور اگر کھائے جائیں تو اس کا اثر چونکہ انسان کے تزکیہ پر پڑتا ہے، اس لیے ان سے ابا اس کی فطرت میں داخل ہے۔ انسان کی یہ فطرت بالعموم اس کی صحیح رہنمائی کرتی ہے اور وہ بغیر کسی تردد کے فیصلہ کر لیتا ہے کہ اسے کیا کھانا چاہیے اور کیا نہیں کھانا چاہیے۔ اسے معلوم ہے کہ شیر، چیتے، ہاتھی، چیل، کوئے، گدھ، عقاب، سانپ، بچھو اور خود انسان کوئی کھانے کی چیز نہیں ہے۔ وہ جانتا ہے کہ گھوڑے، گدھے دسترخوان کی لذت کے لیے نہیں، سواری کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ ان جانوروں کے بول و براز کی نجاست سے بھی وہ پوری طرح واقف ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس کی یہ فطرت کبھی کبھی مسخ بھی ہو جاتی ہے، لیکن دنیا میں انسانوں کی عادات کا

مطالعہ بتاتا ہے کہ ان کی ایک بڑی تعداد اس معاملے میں عموماً غلطی نہیں کرتی۔ چنانچہ خدا کی شریعت نے بھی ان جانوروں کی حلت و حرمت کو اپنا موضوع نہیں بنایا، بلکہ انسان کو اس کی فطرت ہی کی رہنمائی پر چھوڑ دیا ہے۔ اس باب میں شریعت کا موضوع صرف وہ جانور اور ان کے متعلقات ہیں جن کی حلت و حرمت کا فیصلہ تنہا عقل و فطرت کی رہنمائی میں کر لینا ممکن نہ تھا۔ سور انعام کی قسم کے بہائم میں سے ہے، لیکن درندوں کی طرح گوشت بھی کھاتا ہے، پھر اسے کیا کھانے کا جانور سمجھا جائے یا نہ کھانے کا؟ وہ جانور جنہیں ہم ذبح کر کے کھاتے ہیں اگر تزیے کے بغیر مر جائیں تو ان کا کیا حکم ہونا چاہیے؟ انھی جانوروں کا خون کیا ان کے بول و براز کی طرح نجس ہے یا اسے حلال و طیب قرار دیا جائے گا؟ یہ اگر خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کر دیے جائیں تو کیا پھر بھی حلال ہی رہیں گے؟ ان سوالوں کا کوئی واضح اور قطعی جواب چونکہ انسان کے لیے دینا مشکل تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کے ذریعے اسے بتایا کہ سور، خون، مردار اور خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیے گئے جانور بھی کھانے کے لیے پاک نہیں ہیں اور انسان کو ان سے پرہیز کرنا چاہیے۔ جانوروں کی حلت و حرمت میں شریعت کا موضوع اصلاً یہ چار ہی چیزیں ہیں۔ چنانچہ قرآن نے بعض جگہ قُلْ لَا أَحِدٌ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَا أَحَدٌ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ اور بعض جگہ اَنَّمَا کے الفاظ میں پورے حصر کے ساتھ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی حلت و حرمت کے باب میں صرف یہی چار چیزیں حرام قرار دی ہیں... بعض روایات میں بیان ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی والے درندوں، چنگال والے پرندوں اور پالتو گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔ اوپر کی بحث سے واضح ہے کہ یہ اسی فطرت کا بیان ہے جس کا علم انسان کے اندر ودیعت کیا گیا ہے۔ ہم اگر چاہیں تو ممنوعات کی اس فہرست میں بہت سی دوسری چیزیں بھی اس علم کی روشنی میں شامل کر سکتے ہیں۔ لوگوں کی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے اسے بیان فطرت کے بجائے بیان شریعت سمجھا، درآں حالیکہ شریعت کی ان حرمتوں سے جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں، اس کا سرے سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے کہ اس کی بنیاد پر حدیث سے قرآن کے نسخ یا اس کے مدعا میں تبدیلی کا کوئی مسئلہ پیدا کیا جائے۔“ (۳۷-۳۹)

اسی طرح غامدی صاحب ایک اور جگہ اپنی کتاب ”میزان“ (اصول و مبادی) میں لکھتے ہیں:

”قرآن کی دعوت اس کے پیش نظر جن مقدمات سے شروع ہوتی ہے، وہ یہ ہیں:

۱۔ دین فطرت کے حقائق،

۲۔ سنت ابراہیمی،

۳۔ نبیوں کے صحائف۔

پہلی چیز کو وہ اپنی اصطلاح میں معروف و منکر سے تعبیر کرتا ہے۔ یعنی وہ باتیں جو انسانی فطرت میں خیر کی حیثیت سے پہچانی جاتی ہیں اور وہ جس سے فطرت ابا کرتی اور انہیں برا سمجھتی ہے۔ قرآن ان کی کوئی جامع و مانع فہرست

پیش نہیں کرتا، بلکہ اس حقیقت کو مان کر کہ انسان ابتدا ہی سے معروف و منکر، دونوں کو پورے شعور کے ساتھ بالکل الگ الگ پہچانتا ہے، اس سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ معروف کو اپنائے اور منکر کو چھوڑ دے۔

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ... (التوبہ: ۷۱)

”اور مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ یہ باہم دگر معروف کی نصیحت کرتے ہیں اور منکر سے روکتے ہیں۔“

اس معاملے میں اگر کسی جگہ اختلاف ہو تو زمانہ رسالت کے اہل عرب کا رجحان فیصلہ کن ہوگا۔“ (۴۸-۴۹)

”المورد“ کے ریسرچ سکا لرجناب منظور احسن صاحب غامدی صاحب کے ماخذ دین کے بارے میں لکھتے ہیں:

”قرآن مجید دین کی آخری کتاب ہے۔ دین کی ابتدا اس کتاب سے نہیں، بلکہ ان بنیادی حقائق سے ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے روز اول سے انسانی فطرت میں ودیعت کر رکھے ہیں۔ اس کے بعد وہ شرعی احکام ہیں جو وقتاً فوقتاً انبیا کی سنت کی حیثیت سے جاری ہوئے اور بالآخر سنت ابراہیمی کے عنوان سے بالکل متعین ہو گئے۔ پھر تورات، زبور اور انجیل کی سورت میں آسمانی کتابیں ہیں جن میں ضرورت کے لحاظ سے شریعت اور حکمت کے مختلف پہلوؤں کو نمایاں کیا گیا ہے۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی ہے اور قرآن مجید نازل ہوا ہے۔ چنانچہ قرآن دین کی پہلی نہیں، بلکہ آخری کتاب ہے اور دین کے مصادر قرآن کے علاوہ فطرت کے حقائق، سنت ابراہیمی کی روایت اور قدیم صحائف بھی ہیں۔ اس موضوع پر مفصل بحث استاذ گرامی جناب جاوید احمد غامدی کی تالیف ”میزان“ کے صفحہ ۴۷ پر ”دین کی آخری کتاب“ کے زیر عنوان ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔“

(ماہنامہ اشراق، مارچ ۲۰۰۴ء، ۱۱)

اپنے اس اصول کے تحت غامدی صاحب نے فنون لطیفہ (موسیقی، مصوری اور مجسمہ سازی وغیرہ) کو جائز قرار دیا۔ اسی طرح انھوں نے اپنے اسی اصول کو استعمال کرتے ہوئے تمام سمندری جانوروں کو حلال قرار دیا۔ تفصیلات کے لیے ”المورد“ کی سائٹ (urdu.understanding-islam.org) میں سوال و جواب ملاحظہ فرمائیں۔

غامدی صاحب کے اصول فطرت کی غلطی

غامدی صاحب کا مذکورہ بالا اصول فطرت غلط ہے اور اس کی غلطی کی درج ذیل وجوہات ہیں:

کیا شریعت نے صرف چار چیزوں کو حرام قرار دیا ہے؟

غامدی صاحب کا یہ دعویٰ ہے کہ شریعت نے کھانے کے جانوروں میں صرف چار چیزوں سور، خون، مردار اور

خدا کے علاوہ کسی اور کے نام پر ذبح کیے گئے جانور کو حرام قرار دیا ہے۔ غامدی صاحب ”میزان“ (اصول و مبادی) میں لکھتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کے ذریعے سے اسے بتایا کہ سور، خون، مردار اور خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیے گئے جانور بھی کھانے کے لیے پاک نہیں ہیں اور انسان کو ان سے پرہیز کرنا چاہیے۔ جانوروں کی حلت و حرمت میں شریعت کا موضوع اصلاً یہ چار ہی چیزیں ہیں۔ چنانچہ قرآن نے بعض جگہ قُلْ لَا أَجِدُ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ مِنْ شَيْءٍ مِّنَ اللَّهِ أَنَّمَا كُفِيَ فِيهَا جَمْعٌ مِّنَ النَّاسِ وَرَأْسُ الْبَيْتِ“ کے الفاظ میں پورے حصر کے ساتھ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی حلت و حرمت کے باب میں صرف یہی چار چیزیں حرام قرار دی ہیں۔“ (میزان، جاوید احمد غامدی ۳۷-۳۸)

غامدی صاحب نے اپنے ایک غلط اصول (کہ حدیث کے ذریعے سے قرآن پر اضافہ یا اس کا نسخ نہیں ہو سکتا) کو سیدھا کرنے کے لیے یہ سارا فلسفہ گھڑا۔ غامدی صاحب کے نزدیک گدھا حرام ہے، لیکن اس لیے نہیں کہ شریعت نے اسے حرام قرار دیا ہے، بلکہ ان کی فطرت انھیں یہ بتلاتی ہے کہ گدھا سواری کرنے کا جانور ہے نہ کہ کھانے کا، اس لیے یہ فطری محرمات میں سے ہے۔ غامدی صاحب ”میزان“ (اصول و مبادی) میں لکھتے ہیں:

”وہ (یعنی انسان) جانتا ہے کہ گھوڑے، گدھے و سترخوان کی لذت کے لیے نہیں، سواری کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔“ (میزان، جاوید احمد غامدی ۳۷)

غامدی صاحب کی فطرت کا اونٹ کے بارے میں کیا خیال ہے؟ وہ بھی تو سواری کا جانور ہے! امر واقعہ تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عرب میں سواری کے لیے سب سے زیادہ استعمال ہونے والا جانور اونٹ تھا، اس کے بعد گھوڑا، جبکہ گدھے کا استعمال سواری کے لیے تو نہ ہونے کے برابر تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ غامدی صاحب کی فطرت گدھے کو حرام اور اونٹ کو حلال قرار دیتی ہے؟ اگر غامدی صاحب یہ کہتے ہیں کہ اونٹ کو قرآن نے حلال قرار دیا ہے تو پھر غامدی صاحب کے اس بیان کا کیا مطلب ہے کہ:

”جانوروں کی حلت و حرمت میں شریعت کا موضوع اصلاً یہ چار ہی چیزیں ہیں۔“

(میزان، جاوید احمد غامدی ۳۸)

فطری محرمات کا اصول وضع کر کے غامدی صاحب نے دین میں ایک نئے فتنے کی بنیاد رکھ دی ہے۔ اور یہ فتنہ کس طرح آگے بڑھ رہا ہے، اس کا اندازہ ”المورد“ کے ایک ریسرچ سکاالر امیر عبد الباسط صاحب کے شراب سے متعلقہ ایک سوال کے جواب سے ہوتا ہے:

”اپنے پچھلے جواب میں ہم نے (شراب کے لیے) ناپسندیدہ کا لفظ حرمت کے مقابلے میں اصطلاح کے طور پر

استعمال نہیں کیا۔ اس سے یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ شراب پینا شرعی حرمتوں میں سے نہیں ہے، بلکہ وہ تو اس سے بھی زیادہ بنیادی یعنی فطری حرمتوں میں سے ہے... آپ (سائل) نے فرمایا کہ ہماری رائے نصوص شریعہ کے خلاف ہے۔ اگر آپ قرآن کی کوئی ایسی آیت پیش کر دیں جس میں اللہ تعالیٰ نے شراب کو واضح لفظوں میں حرام قرار دیا ہے تو ہمیں اپنی رائے سے رجوع کرنے میں ہرگز کوئی تامل نہیں ہوگا۔“

(urdu.understanding-islam.org)

یہ فتاویٰ جات غامدی صاحب کی نگرانی میں قائم شدہ ”المورد“ کی سرکاری ویب سائٹ (urdu.understanding-islam.org) پر جاری کیے جا رہے ہیں۔ کیا شراب کی حرمت کے بارے میں قرآن کے چار مختلف انداز سے تاکید اور صریح بیانات رَجُسُ، اور مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ، اور فَاجْتَنِبُوهُ، اور فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ سے بھی اس کی شرعی حرمت ثابت نہیں ہوتی؟ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ۔

کیا فطرت انسانی سے حلال و حرام کا تعین ہو سکتا ہے؟

غامدی صاحب کے نزدیک کھانے کے جانوروں میں حلال و حرام کے تعین میں فطرت بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ غامدی صاحب لکھتے ہیں:

”خدا کی شریعت نے بھی ان جانوروں کی حلت و حرمت کو اپنا موضوع نہیں بنایا، بلکہ انسان کو اس کی فطرت ہی کی رہنمائی پر چھوڑ دیا ہے۔ اس باب میں شریعت کا موضوع صرف وہ جانور اور ان کے متعلقات ہیں جن کی حلت و حرمت کا فیصلہ تمہا عقل و فطرت کی رہنمائی میں کر لینا ممکن نہ تھا۔“ (میزان، جاوید احمد غامدی ۳۷)

غامدی صاحب کے نزدیک شریعت نے کھانے کے جانوروں میں صرف چار چیزوں کو حرام کیا ہے۔ اس کے علاوہ حرام جانوروں کے بارے میں ہم اپنی فطری رہنمائی کی روشنی میں ایک جامع فہرست تیار کر سکتے ہیں۔ ایک جگہ ”میزان“ (اصول و مبادی) میں لکھتے ہیں:

”بعض روایات میں بیان ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچلی والے درندوں، چنگال والے پرندوں اور پالتو گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔ اوپر کی بحث سے واضح ہے کہ یہ اسی فطرت کا بیان ہے جس کا علم انسان کے اندر ودیعت کیا گیا ہے۔ ہم اگر چاہیں تو ممنوعات کی اس فہرست میں بہت سی دوسری چیزیں بھی اس علم کی روشنی میں شامل کر سکتے ہیں۔ لوگوں کی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے اسے بیان فطرت کے بجائے بیان شریعت سمجھا، دراصل حالیکہ شریعت کی ان حرمتوں سے جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں، اس کا سرے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔“

(میزان، جاوید احمد غامدی ۳۸)

ذرا غور کریں تو معلوم ہوگا کہ غامدی صاحب کی یہ مذکورہ بالا عبارات کس قدر گمراہ کن افکار پر مشتمل ہیں۔ کسی چیز کو حلال و حرام ٹھہرانے کا اختیار اصلاً اللہ کے پاس اور تبعاً اس کے رسول کے پاس ہوتا ہے۔ غامدی صاحب کا عام انسانوں کو تحلیل و تحریم کا اختیار تفویض کرنا خدائی دعویٰ کرنے کے مترادف ہے۔ غامدی صاحب کو یہ اختیار کس نے دیا ہے کہ وہ عام انسانوں کے بارے میں کہیں کہ وہ اپنی فطرت سے جس کو چاہیں حلال بنا لیں اور جس کو چاہیں حرام ٹھہرائیں؟ قرآن نے دو ٹوک الفاظ میں واضح کر دیا ہے کہ تحلیل و تحریم کا اختیار کسی انسان کے پاس نہیں ہے۔ مشرکین مکہ نے جب اپنی طرف سے بعض کھانے کی چیزوں کو حرام ٹھہرایا تو قرآن نے ان کے اس اقدام پر تنقید کی۔ سورۃ الانعام میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَحَرَّمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللَّهُ افْتِرَاءً عَلَى اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ. (۱۴۰:۶)

”اور انھوں نے اللہ کے عطا کردہ رزق کو حرام ٹھہرا لیا، اللہ پر جھوٹ بولتے ہوئے۔ تحقیق وہ گمراہ ہوئے اور وہ ہدایت پانے والوں میں سے نہ تھے۔“

اگر شریعت نے بقول غامدی صاحب کھانے کے جانوروں میں صرف چار کو ہی حرام قرار دیا تھا اور باقی جانوروں کی حلت و حرمت کا فیصلہ انسانی فطرت پر چھوڑ دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کے اس فعل پر تنقید کیوں کی کہ انھوں نے اپنی مرضی سے بعض جانوروں کو حرام ٹھہرایا؟ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ إِيَّاكَ دَعَوَيْنَا رَبًّا الْأَنْثِيَيْنِ أَمْ أَدَّكَرَيْنَ حَرَّمَ أَمَّ الْأَنْثِيَيْنِ أَمْ أَدَّكَرَيْنَ. (الانعام ۶: ۱۴۳)

”(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے کہہ دیں کیا اللہ تعالیٰ نے دونوں مذکر (نر) کو حرام کیا ہے یا دونوں مونث (مادہ) کو یا اس کو جو دونوں مونث (مادہ) کے رحم میں ہو؟“

یہ آیت بھی اس بات کی صریح دلیل ہے کہ تحلیل و تحریم کا اختیار اللہ کے پاس ہے نہ کہ انسانی فطرت کے پاس۔ ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ هَلْ مِمَّنْ شُهِدَ آءَ كُمْ الَّذِينَ يَشْهَدُونَ أَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ هَذَا. (الانعام ۶: ۱۵۰)

”(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان سے کہہ دیں کہ تم اپنے گواہوں کو لے آؤ جو یہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام ٹھہرایا ہے۔“

اگر صرف فطرت سے محرّمات کا تعین جائز ہوتا تو اللہ تعالیٰ مشرکین سے یہ مطالبہ نہ کرتا کہ ان جانوروں کی حرمت پر اللہ کی نازل کردہ شریعت سے کوئی دلیل پیش کرو۔ ایک اور جگہ مشرکین مکہ سے خطاب ہے:

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ
الْكَذِبَ هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ
لْتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ. (النحل: ۱۶)

”اور تم مت کہو جو کہ تمہاری زبانیں جھوٹ کہتی ہیں
کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ پر
جھوٹ باندھ سکو۔“

یہ آیت بھی اس مسئلے میں نص ہے کہ انسانی فطرت سے حلال و حرام کا تعین کرنا اللہ پر جھوٹ باندھنے کے مترادف ہے۔

کس کی فطرت کا اعتبار ہوگا؟

غامدی صاحب کے نزدیک کھانے کے جانوروں میں انسانی فطرت سے حلال و حرام کا تعین ہوگا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اختلاف فطرت کی صورت میں کس کی فطرت معتبر ہوگی؟ مثلاً غامدی صاحب نے موسیقی کو مباحات فطرت میں شامل کیا ہے جبکہ علماء اس کو محرمات میں شمار کرتے ہیں۔ اب کس کی فطرت کو لیں گے اور کس کی فطرت کو چھوڑیں گے؟ غامدی صاحب اس مسئلے کا حل تجویز کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر کسی کھانے کے جانور کے بارے میں انسانی فطرت کی آرا مختلف ہو جائیں تو جمہور کی رائے پر عمل کیا جائے گا۔ غامدی صاحب ”میزان“ (اصول و مبادی) میں لکھتے ہیں:

”اس میں شبہ نہیں کہ اس کی یہ فطرت کبھی کبھی مسخ بھی ہو جاتی ہے، لیکن دنیا میں انسانوں کی عادات کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ان کی ایک بڑی تعداد اس معاملے میں عموماً غلطی نہیں کرتی۔“ (میزان، جاوید احمد غامدی ۳۷)

غامدی صاحب کے اس سنہری اصول کی روشنی میں دنیا کے انسانوں کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ انسانوں کی ایک بڑی تعداد نے سور تک کو اپنی فطرت سے حلال کر رکھا ہے۔ اور کچھ بعید نہیں کہ مستقبل قریب میں ”المورد“ کا کوئی ریسرچ اسکالریہ تحقیق پیش کر دے کہ قرآن نے جس سور کو حرام قرار دیا ہے وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا سور ہے، رہا آج کا سور جس کی مغرب میں باقاعدہ فارمنگ کی جاتی ہے، وہ فطرتاً حلال ہے۔ اہل مغرب کو تو چھوڑیے، مسلمانوں کو دیکھ لیں، ان کی اکثریت کے ہاں حلال و حرام کا کیا معیار ہے جسے غامدی صاحب اپنے اصول فطرت میں اختلاف کی صورت میں بطور دلیل پیش کر رہے ہیں؟

غامدی صاحب نے انسان کو شارع بنا دیا

غامدی صاحب نے انسانی فطرت کو تحلیل و تحریم کا اختیار تفویض کر کے اس کو شارع بنا دیا ہے اور اللہ کے بالمقابل

لاکھڑا کیا ہے۔ اگر انسان کی فطرت کے پاس کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہرانے کا اختیار ہے تو انسان بھی شارع ہے۔ اور انسان کو شارع بنانا اللہ کے ساتھ اس کو شریک کرنے کے مترادف ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا
 أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَمْنَا مِنْ شَيْءٍ.
 ”عنقریب وہ لوگ کہیں گے جنہوں نے شرک کیا،
 اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا شرک نہ
 کرتے اور نہ ہی ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔“
 (الانعام: ۶: ۱۳۸)

نفی کے سیاق میں اگر نکرہ آئے تو وہ عبارت اپنے عموم میں نص بن جاتی ہے۔ لہذا مذکورہ بالا آیت بھی اپنے عموم میں نص ہے، یعنی کسی چیز کو بھی حرام قرار دینے کا اختیار انسان کے پاس نہیں ہے۔ ایک آیت میں اس سے بھی زیادہ صراحت سے ”مِنْ دُونِهِ“ کے الفاظ کے ساتھ اس مفہوم کو بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا
 عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ نَحْنُ وَلَا
 آبَاؤُنَا وَلَا حَرَمْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ.
 ”اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے شرک کیا اگر اللہ
 تعالیٰ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا اللہ کے علاوہ
 کسی کی عبادت نہ کرتے اور ہم اس کے بغیر کسی چیز کو
 بھی حرام نہ ٹھہراتے۔“
 (النحل: ۱۶: ۳۵)

یہ آیات اس مسئلے میں صریح نص کا درجہ رکھتی ہیں کہ شارع صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور کوئی چیز اس وقت حلال ہوگی جبکہ اللہ تعالیٰ اس کو حلال قرار دے اور اس وقت حرام ہوگی جبکہ اللہ تعالیٰ اس کو حرام قرار دے اور انسان کے پاس کسی بھی چیز کو حرام قرار دینے کا اختیار نہیں ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تحلیل و تحریم

غامدی صاحب نے ہر انسان کو تو یہ حق دے دیا کہ اپنی فطرت سے حلال و حرام کی فہرست تیار کرے، لیکن وہ اللہ کے رسول کے پاس یہ اختیار ماننے سے انکاری ہیں۔ غامدی صاحب ”اصول و مبادی“ میں لکھتے ہیں:

”بعض روایات میں بیان ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچلی والے درندوں، چنگال والے پرندوں اور پالتو گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔ اوپر کی بحث سے واضح ہے کہ یہ اسی فطرت کا بیان ہے جس کا علم انسان کے اندر ودیعت کیا گیا ہے۔ ہم اگر چاہیں تو ممنوعات کی اس فہرست میں بہت سی دوسری چیزیں بھی اس علم کی روشنی میں شامل کر سکتے ہیں۔ لوگوں کی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے اسے بیان فطرت کے بجائے بیان شریعت سمجھا، دراصل حالیکہ شریعت کی ان حرمتوں سے جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں، اس کا سرے سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے کہ اس کی بنیاد پر

حدیث سے قرآن کے نسخ یا اس کے مدعا میں تبدیلی کا کوئی مسئلہ پیدا کیا جائے۔“

(میزان، جاوید احمد غامدی ۳۸-۳۹)

غامدی صاحب اپنی فطرت کو یہ اختیار دیتے ہیں کہ وہ قرآنی محرمات (اربعہ) کی فہرست میں جتنا چاہے، اضافہ کر لے۔ لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان کا یہ خیال ہے کہ آپ کے کسی فرمان سے ان چار قرآنی محرمات کی فہرست میں اضافہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس سے قرآن کا نسخ یا اس کے مدعا میں تبدیلی لازم آتی ہے، جو کہ جائز نہیں ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ غامدی صاحب اپنی فطرت سے قرآنی محرمات میں جو اضافہ کر رہے ہیں تو اس سے کیا قرآن کا نسخ یا اس کے مدعا میں تبدیلی لازم نہیں آتی؟ غامدی صاحب اپنی فطرت سے قرآنی حکم کے نسخ، اس میں اضافے اور اس کے مدعا میں تبدیلی کے قائل ہیں، لیکن احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مقام دینے کو تیار نہیں، کیوں؟ کیا انسانی فطرت کا رتبہ معاذ اللہ، نبوت و رسالت سے بڑھ کر ہے؟

مقدم کون، نور فطرت یا نور وحی؟

غامدی صاحب کے نزدیک انسانی ہدایت و رہنمائی کے دو بڑے ذریعے ہیں، ایک انسانی فطرت اور دوسرا وحی۔ لیکن ان میں بھی غامدی صاحب فطرت کی رہنمائی کو وحی کی رہنمائی پر مقدم رکھتے ہیں۔ غامدی صاحب لکھتے ہیں: ”دین کی تاریخ یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھیجا تو اس (یعنی دین) کے بنیادی حقائق ابتدا ہی سے اس کی فطرت میں ودیعت کر دیئے، پھر اس کے ابوالآبا حضرت آدم کی وساطت سے اسے بتا دیا گیا کہ... اس کی ضرورتوں کے پیش نظر اس کا خالق وقتاً فوقتاً اپنی ہدایت سے بھیجتا رہے گا... چنانچہ پروردگار نے اپنا یہ وعدہ پورا کیا اور انسانوں ہی سے کچھ ہستیوں کو منتخب کر کے ان کے ذریعے سے اپنی یہ ہدایت بنی آدم کو پہنچائی، اس میں حکمت (یعنی ایمانیات اور اخلاقیات) بھی تھی اور شریعت بھی۔“ (میزان، جاوید احمد غامدی ۴۷)

غامدی صاحب کا یہ نقطہ نظر قرآنی آیات کے مخالف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب سے آدم کو اس دنیا میں بھیجا ہے

اس دن سے ہی اس کی رہنمائی کے لیے وحی کا سلسلہ جاری فرما دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَاِمَّا يَاتِيَنَّكُمْ
مِّنِّي هُدًى فَمَنْ تَبَعَ هُدَايَ فَلَا يَخُوفُ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ وَالَّذِينَ كَفَرُوا
وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا اولئِكَ اصْحَابُ النَّارِ هُمْ

”ہم نے کہا: تم سب (یعنی آدم اور ان کی ہونے والی ذریت) اس جنت سے اتر جاؤ، پس اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی تو اس پر نہ تو کوئی خوف ہوگا

اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور
میری آیات کو جھٹلایا وہ لوگ آگ والے ہیں اور وہ
اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔“

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

”فرمایا (اللہ تعالیٰ نے) کہ تم دونوں (یعنی سب)
اس جنت سے اترو، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔
پس اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت
آئے تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی تو نہ تو وہ
(دنیا میں) گمراہ ہوگا اور نہ ہی (آخرت میں)

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ
عَدُوٌّ فَاِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ
هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَى. (طہ: ۲۰: ۱۲۳)

بدبخت ہوگا۔“

اس انتہائی اہم موقع پر جبکہ حضرت آدم کو اور ان کی آنے والی ذریت کو جنت سے اتار کر اس دنیا میں بھیجا جا رہا ہے تو اس وقت انہیں صرف ایک ہی چیز کی پیروی کرنے کی تلقین کی جا رہی ہے اور وہ اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت ہے۔ اور دونوں جگہ قرآن کے الفاظ مِّنِّي هُدًى اور اس کا سیاق و سباق بتلاتا ہے کہ اس ہدایت سے مراد کوئی فطری ہدایت نہیں، بلکہ اللہ کی آیات اور اس کی طرف سے نازل کردہ وحی کی رہنمائی مراد ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ پہلے ہی دن سے اس دنیا میں زندگی گزارنے کے لیے حضرت آدم اور ان کی آنے والی ذریت کو جو رہنمائی دی جا رہی ہے وہ وحی کی رہنمائی ہے اور جس نے بھی اللہ کی دی ہوئی اس وحی کی رہنمائی سے استفادہ کرنے سے انکار کیا تو وہی لوگ اللہ کے عذاب کے مستحق ہیں۔

فطرت انسانی سے معروف و منکر کا تعین

غامدی صاحب کے نزدیک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں ’معروف‘ اور ’منکر‘ کا تعین شریعت نہیں، بلکہ

فطرت انسانی کرے گی۔ غامدی صاحب لکھتے ہیں:

”پہلی چیز کو وہ اپنی اصطلاح میں معروف و منکر سے تعبیر کرتا ہے۔ یعنی وہ باتیں جو انسانی فطرت میں خیر کی حیثیت سے پہچانی جاتی ہیں اور وہ جس سے فطرت ابا کرتی اور انہیں برا سمجھتی ہے۔ قرآن ان کی کوئی جامع و مانع فہرست پیش نہیں کرتا، بلکہ اس حقیقت کو مان کر کہ انسان ابتدا ہی سے معروف و منکر، دونوں کو پورے شعور کے ساتھ

بالکل الگ الگ پہچانتا ہے، اس سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ معروف کو اپنائے اور منکر کو چھوڑ دے۔“

(میزان، جاوید احمد غامدی ۲۸-۲۹)

اگر معروف و منکر شریعت کا موضوع نہیں ہے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟
”مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيَعْبِرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ.“
وہ اسے اپنے ہاتھ سے تبدیل کر دے، اگر اس کی استطاعت نہیں رکھتا تو اپنی زبان سے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہیں رکھتا تو اپنے دل سے۔“
(من الایمان)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم منکر کو ہاتھ سے روکنے کا حکم دے رہے ہیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے منکرات کا تعین کر دیا ہے۔ اگر غامدی صاحب کا یہ نظریہ مان لیا جائے کہ معروف اور منکر کا تعین فطرت انسانی سے ہوگا تو شریعت اسلامیہ ایک کھیل تماشا بن جائے گی۔ ایک شخص کے نزدیک ایک فعل معروف ہوگا جبکہ دوسرے کے نزدیک وہی فعل منکر ہوگا۔ مثلاً غامدی صاحب کے نزدیک موسیقی معروف کے تحت آئے گی۔ اب غامدی صاحب کو قرآن کا یہ حکم ہے کہ وہ امر بالمعروف کا فریضہ سر انجام دیں یعنی لوگوں کو موسیقی سننے کا حکم دیں جبکہ علماء موسیقی کو منکرات میں شامل کرتے ہیں اور علماء کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ وہ منکرات کو بزور بازو روکیں، یعنی غامدی صاحب کو موسیقی کے جواز کا فتویٰ دینے سے بزور بازو روکیں۔

امام رازی، امام ابو بکر جصاص، علامہ سید آلوسی، علامہ ابن حجر پیشی، علامہ مناوی، ملا علی القاری، علامہ ابو حیان الاندلسی، امام طبری، امام ابن تیمیہ، امام شوکانی، علامہ ابن الاثیر الجزری، علامہ صاوی اور علامہ عبدالقادر عودہ نے واضح اور صریح الفاظ میں اپنے اس موقف کو بیان کیا ہے کہ معروف و منکر کا تعین شریعت سے ہوگا۔ ان علماء و ائمہ کی آرا کا تفصیل سے مطالعہ کرنے کے لیے سید جلال الدین عمری کی کتاب ’معروف و منکر‘ کا مطالعہ مفید رہے گا۔ (معروف و منکر، سید جلال الدین عمری ۹۸-۱۱۳)

کیا فطرت انسانی ماخذ شریعت ہے؟

غامدی صاحب عالم اسلام کے وہ پہلے نامور اسکالر ہیں جنہوں نے فطرت انسانی کو مصادر شریعت میں شمار کیا اور اسے حلال و حرام کی تمیز میں میزان قرار دیا۔ امام شافعی سے لے کر امام شوکانی تک کسی بھی اصولی (اصول فقہ کے ماہرین) نے اپنی کتاب میں مصادر شریعت کی بحث میں ’فطرت انسانی‘ کا تذکرہ نہیں کیا۔ علماء اور فقہانے ہر دور میں

قرآن، سنت، اجماع اور قیاس وغیرہ جیسے ماخذ شریعت کے ذریعے سے شرعی احکام تک پہنچنے کی کوشش کی ہے اور کسی بھی فقیہ یا عالم نے امت مسلمہ کی چودہ سو سالہ تاریخ میں 'فطرت انسانی' کو کبھی بھی استنباط احکام کے لیے بطور اصول یا ماخذ شریعت بیان نہیں کیا۔ محسوس یہی ہوتا ہے کہ غامدی صاحب نئی فقہ کے ساتھ ساتھ نئی اصول فقہ بھی مرتب کرنے کا شوق پورا فرما رہے ہیں۔ غامدی صاحب اپنا یہ شوق ضرور پورا فرمائیں، لیکن علم و تحقیق کی روشنی میں۔ غامدی صاحب نے 'فطرت انسانی' کو مصدر شریعت تو بنا دیا، لیکن اس کی ان کے پاس دلیل کیا ہے کہ 'فطرت انسانی' مصدر شریعت ہے؟ بلکہ دلیل تو غامدی صاحب کے خلاف قائم ہو رہی ہے۔ عام انسان تو کجا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی یہ اختیار نہیں تھا کہ وہ اللہ کی مرضی کے بغیر اپنی فطرت سے کسی چیز کو حرام قرار دیتے۔ آپ کھانے کی بعض اشیاء کو فطرتاً ناپسند کرتے تھے اور انہیں کھانے سے اجتناب کرتے تھے، لیکن آپ نے ان کو حرام قرار نہیں دیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے:

أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِضَبِّ مَشْوِيٍّ فَأَهُوَى إِلَيْهِ لِيَأْكُلَ فَقِيلَ لَهُ إِنَّهُ ضَبٌّ فَأَمْسَكَ يَدَهُ فَقَالَ خَالِدٌ أَحْرَامٌ هُوَ قَالَ لَا وَلَكِنَّهُ لَا يَكُونُ بَارِضٍ قَوْمِي فَأَجِدُنِي أُعَافُهُ فَأَكَلَ خَالِدٌ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ (صحیح البخاری، کتاب الأطعمه، باب الشواء)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بھنی ہوئی گوہ لائی گئی۔ آپ اس کو کھانے کے لیے جھکے تو آپ سے کہا گیا کہ یہ گوہ ہے۔ پس آپ نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ حضرت خالد بن ولید نے سوال کیا کہ کیا یہ حرام ہے؟ تو آپ نے جواب دیا: ”نہیں، لیکن چونکہ یہ جانور میری قوم کی سرزمین (یعنی مکہ) میں نہیں پایا جاتا، اس لیے میں نے اسے چھوڑ دیا۔“ پس حضرت خالد نے اس کو کھایا اور آپ حضرت خالد کو دیکھ رہے تھے۔“

حضرت عبداللہ بن عباس کی ایک روایت کے الفاظ ہیں:

أَهْدَتْ خَالَةَ ابْنِ عَبَّاسٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَقْطَا وَ سَمْنَا وَأَضْبَاً فَأَكَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْأَقِطِ وَالسَّمَنِ وَتَرَكَ الضَّبَّ تَقْدُرًا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَأَكَلَ عَلِيٌّ مَائِدَةً

”حضرت عبداللہ بن عباس کی خالہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کچھ پنیر، گھی اور گوہ ہدیہ کے طور پر بھیجے۔ پس آپ نے پنیر اور گھی کھا لیا اور گوہ سے کراہت کرتے ہوئے اسے چھوڑ دیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ گوہ آپ کے دسترخوان پر

رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَوْ
كَانَ حَرَامًا مَا أَكَلَ عَلَى مَائِدَةِ رَسُولِ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(صحیح البخاری، کتاب الہبہ وفضلاہا، باب قبول الہدیہ)

مذکورہ بالا روایات سے درج ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:

- ۱۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کے گوشت کو ناپسند فرمایا۔
- ۲۔ آپ کے سامنے گوہ کا گوشت کھایا گیا اور آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا۔
- ۳۔ کھانے کے ایک جانور سے آپ کی فطرت ابا کر رہی تھی، لیکن آپ نے اسے اپنی فطری ناپسندیدگی کی وجہ سے حرام قرار نہیں دیا۔

۴۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے (یعنی وحی کے بغیر) کسی چیز کو حرام قرار نہیں دے سکتے۔

۵۔ فطرت انسانی اگر ایک چیز سے ابا کرتی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ حرام ہے، جیسا کہ غامدی صاحب کہتے ہیں۔

۶۔ تحلیل و تحریم کی اصل بنیاد وحی ہے نہ کہ فطرت انسانی۔

غامدی صاحب کے اصول فطرت کی دلیل کا تجزیہ

غامدی صاحب نے پنجاب یونیورسٹی میں اپنے ایک لیکچر کے دوران میں اپنے تصور فطرت کے حق میں جو دلیل بیان کی ہے۔ وہ سورۃ الشمس کی درج ذیل آیات ہیں:

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ
دَسَّاهَا. (۹۱: ۷-۱۰)

غامدی صاحب اس آیت کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت میں نیکی اور بدی کا علم رکھ دیا ہے۔ لیکن یہ مفہوم بوجہ غلط ہے:

۱۔ یہ مفہوم قرآن کی واضح نص کے خلاف ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاللَّهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا

”اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے

تَعْلَمُونَ شَيْئًا. (النحل ۱۶: ۷۸)

نکالا، اس حال میں کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے۔“

اسی لیے امام ابن قیم لکھتے ہیں:

ليس المراد بقوله 'يولد على الفطرة' انه خرج من بطن أمه بعلم الدين لأن الله تعالى يقول والله أخرجكم من بطن أمهتكم لا تعلمون شيئاً ولكن المراد أن فطرته مقتضية معرفة دين الاسلام و محبته . (صحیح البخاری مع فتح الباری، کتاب اللباس، باب قص الشارب)

”يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ“ سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ اپنی ماں کے پیٹ سے دین کا علم لے کر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ نے تم کو تمھاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا، اس حال میں کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے“ بلکہ حدیث سے مراد یہ ہے کہ انسان کی فطرت دین اسلام کی معرفت اور اس کی محبت کا تقاضا کرتی ہے۔“

۲۔ یہ مفہوم حدیث کے خلاف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اللَّهُمَّ آتِ نَفْسِي تَقْوَاهَا وَزَكِّهَا أَنْتَ خَيْرٌ مَنْ زَكَّاهَا. (صحیح مسلم، کتاب الذکرو تقویٰ کی رہنمائی) عنایت فرمادے اور اس کو پاک کر دے، بے شک تو پاک کرنے والوں میں بہترین پاک کرنے والا ہے۔“

اگر فُجُور اور 'تقویٰ' انسانی فطرت میں داخل ہیں تو اللہ تعالیٰ سے اس تقویٰ کو مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا اس آیت کے مفہوم کو واضح کر رہی ہے کہ اس آیت میں 'تَقْوَاهَا' سے مراد اس (تقویٰ) کی رہنمائی اور فُجُور سے مراد اس (فُجُور) کی پہچان ہے۔

۳۔ یہ مفہوم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تفسیر کے خلاف ہے۔ امام طبری اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

قوله: فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا يقول: "ابن عباس فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا" کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے خیر اور شر کو واضح کر دیا ہے۔“

۴۔ یہ مفہوم جلیل القدر تابعین اور تبع تابعین کی تفسیر کے خلاف ہے۔ امام طبری اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں تابعین و تبع تابعین کے اقوال نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

عن مجاهد: فَالْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا
قال: عرفها.

”حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ فَالْهَمَهَا فُجُورَهَا
وَ تَقْوَاهَا سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو گناہ
اور تقویٰ بتلا دیا ہے۔“

عن قتادة: فَالْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا
فبين لها فجورها.

”حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ فَالْهَمَهَا فُجُورَهَا
وَ تَقْوَاهَا سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے
لیے تقویٰ اور فجور کو واضح کر دیا ہے۔“

الضحاك يقول في قوله تعالى فَالْهَمَهَا
فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا بين لها الطاعة
والمعصية.

”حضرت ضحاک فرماتے ہیں کہ فَالْهَمَهَا فُجُورَهَا
وَ تَقْوَاهَا سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے
لیے اطاعت اور معصیت کو واضح کر دیا۔“

عن سفيان فَالْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا
قال اعلمها المعصية والطاعة.

”حضرت سفیان سے روایت ہے کہ اس سے مراد یہ
ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اطاعت اور معصیت کے
بارے میں بتلایا۔“

جلیل القدر مفسرین امام طبری، امام قرطبی، امام بیضاوی، امام سیوطی، علامہ زنجیری، امام نسفی، امام شوکانی، امام ابن
کثیر اور علامہ ابن عطیہ نے بھی اس آیت کا یہی مفہوم بیان کیا ہے جو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے حوالے
سے اوپر بیان ہو چکا ہے۔

غامدی صاحب کا اپنے اصول فطرت سے انحراف

جس طرح غامدی صاحب کا اصول فطرت غلط ہے، اسی طرح بعض مقامات پر اس اصول کی تطبیق میں انہوں نے
اپنے ہی وضع کردہ اس اصول سے انحراف بھی کیا ہے۔ ان میں سے ایک کو ہم قارئین کے لیے بطور مثال بیان کیے
دیتے ہیں۔

مردوں کو اللہ تعالیٰ نے جس فطرت پر پیدا کیا ہے اس میں ڈاڑھی بھی شامل ہے۔ کسی چیز کی فطرت سے مراد اس
کی وہ اصل تخلیق ہے جس پر اس کو پیدا کیا گیا ہے۔ مردوں کو اللہ تعالیٰ نے جس حالت پر پیدا کیا ہے اس میں یہ بھی
ہے کہ ان کے چہرے پر ڈاڑھی کے بال ہوتے ہیں جبکہ عورتوں کو اللہ تعالیٰ نے جس فطرت پر پیدا کیا ہے اس میں یہ

ہے کہ ان کے چہرے پر بال نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں کی تخلیق میں یہ فطری فرق رکھا ہے۔ ڈاڑھی عامی صاحب کے اصول فطرت سے ثابت ہے۔ لیکن عامی صاحب نے اپنی ہی فطرت اور اپنے ہی اصول فطرت، دونوں کی مخالفت اختیار کرتے ہوئے ڈاڑھی کو دین سے خارج قرار دیا۔ ڈاڑھی انسانی فطرت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ: قَصُّ الشَّارِبِ وَإِعْفَاءُ
 اللَّحِيَّةِ وَالسِّوَاكِ وَاسْتِنشَاقُ الْمَاءِ
 وَقَصُّ الْأَظْفَارِ وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ وَتَفُّ
 الْإِبْطِ وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ قَالَ
 زَكَرِيَّا قَالَ مُصَعَّبٌ وَنَسِيتُ الْعَاشِرَةَ
 إِلَّا أَنْ تَكُونَ الْمَضْمُضَةَ.
 ”دس چیزیں فطرت میں سے ہیں: مونچھوں کو کاٹنا،
 ڈاڑھی کو چھوڑنا، مسواک کرنا، ناک میں پانی چڑھانا،
 ناخنوں کو کاٹنا، انگلیوں کے جوڑوں کا خلال کرنا، بغل
 کے بال اکھیڑنا، زیر ناف کے بال مونڈنا اور استنجا
 کرنا۔ زکریا نے کہا کہ مصعب نے کہا کہ میں دسویں
 چیز بھول گیا اور میرا خیال ہے کہ وہ کلی کرنا ہے۔“
 (صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب خصال الفطرۃ)

اس حدیث میں ڈاڑھی رکھنے کو فطرت قرار دیا گیا ہے۔ تمام انبیاء کی ڈاڑھی تھی، اس لحاظ سے ڈاڑھی انسانی فطرت ہونے کے ساتھ ساتھ تمام انبیاء کی سنت بھی ہے۔ ابن حجر فطرت کی تشریح میں امام بیضاوی کا قول نقل کرتے ہیں:

قال هي السنة القديمة التي اختارها
 الأنبياء واتفقت عليها الشرائع و كأنها
 أمر جبلی فطروا عليها. (صحیح البخاری مع فتح
 الباری، کتاب اللباس، باب قص الشارب)
 ”امام بیضاوی کہتے ہیں کہ فطرت سے مراد وہ
 سنت قدیمہ ہے جسے تمام انبیاء نے اختیار کیا ہے اور جس
 پر تمام شریعتوں کا اتفاق ہو گیا کہ فطرت ایک ایسا جبلی
 معاملہ ہے جس پر انسانوں کی پیدائش ہوئی ہے۔“

ڈاڑھی سے متعلق ایک سوال کے جواب میں ”المورد“ کے ایک ریسرچ اسکالر لکھتے ہیں:

”عام طور پر اہل علم ڈاڑھی رکھنا ضروری قرار دیتے ہیں، تاہم ہمارے نزدیک ڈاڑھی رکھنے کا حکم دین میں کہیں بیان نہیں ہوا۔ لہذا دین کی رو سے ڈاڑھی رکھنا ضروری نہیں ہے۔ البتہ اس معاملے میں اس بات کی بڑی اہمیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے برعکس مردوں کے چہرے پر بال اگائے ہیں اور یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی

ڈاڑھی رکھنا اپنے لیے پسند کیا۔“ (www.urdu.understanding-islam.org)

یہ عبارت اس لحاظ سے قابل غور ہے کہ ایک طرف تو اس میں کس ڈھٹائی کے ساتھ اس بات کا دعویٰ کیا جا رہا

ہے کہ ڈاڑھی رکھنے کا حکم دین میں کہیں بھی بیان نہیں ہوا، حالانکہ بیسیوں احادیث ایسی ہیں جن میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین، یہود اور مجوسیوں کی مخالفت میں مسلمانوں کو ڈاڑھی چھوڑنے کا حکم دیا ہے۔ کیا حدیث دین نہیں ہے؟ اگر غامدی صاحب ڈاڑھی کی احادیث کو اس بنا پر رد کر رہے ہیں کہ ان کے نزدیک حدیث سے دین ثابت نہیں ہوتا تو ڈاڑھی تو ان کے اصول سنت سے بھی ثابت ہے اور اصول فطرت سے بھی۔ دوسری طرف ”المورد“ کے مفتی صاحب اس بات کا بھی اقرار کر رہے ہیں کہ مردوں اور عورتوں میں ایک بنیادی فرق ڈاڑھی کا بھی ہے جو کہ پیدائشی اور فطری فرق ہے۔ تعجب ہے اس انداز فکر پر! جب چاہتے ہیں اپنے مزعومہ افکار کی تائید کے لیے اصول وضع کر لیتے ہیں اور اپنی خواہش نفس کی تکمیل کے لیے جب چاہتے ہیں اپنے ہی وضع کردہ اصولوں کی بھی مخالفت شروع کر دیتے ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net